باب 1

آبائی پس منظر

میرا آبائی وطن

میرے آبائی گاؤں کا نام درنگلہ ہے، جو تحصیل کرناہ ہندوستانی زیرِ انتظام کشمیر کے مشہور قصبہ ٹیٹوال سے تقریباً ایک کلومیٹر مسافت پر واقع ہے۔ ٹیٹوال جنگ آزادی سے قبل تحصیل کرناہ کا صدر مقام تھا۔ کرناہ نہ صرف ایک وسیع وعریض تحصیل تھی بلکہ فطرتی اور دیومالائی حُسن میں بھی اپنی مثال آپ تھی (اس کی حسین وجمیل وادیوں کا ذکر آگے آئے گا)۔ اس وسیع وعریض تحصیل میں وادی دراوہ، وادی لیپہ اور موجودہ علاقہ کرناہ اور کیرن شامل تھے۔ وادی کرناہ، سرینگر سے 150 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ بدھ مذہب سے منسوب مشہور یونیورسٹی ''شاردہ'' اس تحصیل کے گاؤں شاردہ میں واقع ہے۔ آزاد کشمیر میں اس علاقے کو تحصیل کا درجہ دیا گیا ہے۔ تحصیل کرناہ بہ وقت تقسیم ہند ضلع مظفر آباد، اس کے بعد کشمیر میں ضلع بارہ مولہ اور اب ضلع کپواڑہ کا حصہ ہے۔ سابقہ تحصیل کرناہ اس وقت آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں منقسم ہے۔ اس کے ہندوستانی حصے اس وقت تحصیل کرناہ اور تحصیل کیرن پر مشتمل ہیں جبکہ آزاد کشمیر والے حصے تحصیل شاردہ، تحصیل آٹھمقام اور تحصیل لیپہ پر مشتمل ہیں۔ جموں وکشمیر اسمبلی میں کرناہ کی الگ نشست ہے جبکہ اس کی آبادی بمشکل تیس ہزار اور ووٹرز تقریباً اٹھارہ ہزار ہیں۔ اس وقت اس کا مشہور صدر مقام ٹنگڈار ہے جہاں اس علاقے کے مرکزی دفاتر اور فوجی چھاؤنی ہے۔

کرناہ کی وجہ تسمیہ راجا کرن بتائی جاتی ہے جو کسی زمانے میں اس علاقہ پر حکومت کرتا تھا۔ اسی نام سے وادی کرناہ کے اندر جنگل سے لدا ہوا ایک پہاڑ بھی ''کرانوں'' کے نام سے مشہور ہے جس کی چوٹی پر پرانے کھنڈر کسی مہذب بستی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہاں پر پانی کا ایک بہت بڑا تالاب تھا جس کے اندر ابلتے چشمے موتیوں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ اس طرف ماہرین کی نظر نہیں گئی ہے، وگرنہ ان کھنڈروں میں بھی شاردہ کی طرح ایک تاریخ پنہاں ہے۔ قدرت بھی تاریخ لکھنے میں منفرد نظام رکھتی ہے جو پہاڑوں، دریاؤں، کھنڈرات اور آثارِ قدیمہ کے پڑھنے والے ماہرین صفحہ قرطاس کے بغیر ایک نظر میں پڑھ لیتے ہیں۔ دریائے کشن گنگا جس کا ''پاکستانی'' نام نیلم ہے، اسی علاقے میں گریز سے شاردہ اور ٹیٹوال سے گزرتے ہوتے ہوئے دو میل کے فاصلے پر مظفر آباد کے مقام پر دریائے جہلم سے باہم بغل گیر ہوتا ہے۔

جن ناموں کی تاریخی حیثیت اور مقام ہو، ان کو بدلنا تاریخ مسخ کرنے اور شناخت ختم کرنے کے مترادف ہے۔ کشمیر کے دوسرے حصے میں اب بھی اس دریا کو کشن گنگا ہی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی قدیم زمانے میں اس کا نام نیلم تھا لیکن زمانہ حال میں اس وادی میں ایک نیلم نامی گاؤں آباد ہے، جہاں سے نیلم پتھر بھی نکالا جاتا ہے جس کی وجہ سے وادی دراوہ کو وادی نیلم بھی کہا جاتا ہے۔ کئی مقامات پر ریاست کی تقسیم اس دریا کے ذریعے ہوتی ہے۔ آزاد کشمیر کے وجود میں آنے سے پہلے وادی کیرن، وادی دراواہ، وادی کرناہ، وادی لیپہ اور مظفر آباد ضلع کے دیگر حصے اس دریا کے کنارے قدرتی اور محفوظ راستوں سے جڑے ہوئے تھے، جبکہ ان حصوں کے درمیان اب مسافت میلوں میں اور وہ بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہوتی ہے۔ وادی کشمیر کے اس حصے کی تقسیم انتہائی غیر قدرتی اور غیر فطری طریقے پر ہوئی ہے کوسوں کا سفر میلوں پر محیط ہو گیا ہے۔ اگر ہندوستان کے زیر انتظام وادی کرناہ کو آزاد کشمیر میں شامل کر لیا جائے تو اس ضلع کی پرانی صورت بحال ہونے کے علاوہ قدرتی راستے بھی بحال ہو جائیں گے۔

بدھ اور ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اب بھی شاردہ کو انتہائی متبرک مقام کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ سال 2005 میں جب سے کشمیر کے دو حصوں میں بس سروس کا آغاز ہوا کئی ہندو

مفکرین نے اس مقام کی زیارت کے لیے بذریعہ بس سفر کرنے کے لیے درخواست بھی دی تھی جس سے اس مقام سے ان کی والہانہ مذہبی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ مجھے سال 1969 میں اس وقت بنارس جانے کا اتفاق ہوا جب میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہاں پر فلسفہ کے ہندو پروفیسر کو جب میں نے کہا کہ میں اس تحصیل سے تعلق رکھتا ہوں جہاں پر شاردہ واقع ہے وہ جذباتی ہو گئے اور مجھے چومنے لگے۔ میں نے کئی بار اس مقام کی سیر کی جہاں آج بھی قلعہ نما مکتب یا پاٹ شالہ کے کھنڈر موجود ہیں۔ اس کی طرزِ تعمیر سے پتا چلتا ہے کہ کسی مہذب دور کا تعمیر شدہ قلعہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر ان مقامات سے تعلق یا عقیدت رکھنے والے لوگ ان مقامات کی زیارت کر سکتے۔ جس سے جہاں ان کے جذبات کی تسکین ہوتی وہاں ہمارے رابطے بھی استوار ہو کر مسائل کو حل کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے۔ عوامی رائے کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا جس سے گتھیاں سلجھنے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔

پیدائش اور بچپن

میرے والد محترم جناب سید حسن شاہ گیلانی (مرحوم) ڈوگرہ عہد میں معلم تعینات ہوئے تھے جو اس زمانے میں پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے اعلیٰ ترین سرکاری نوکری سمجھی جاتی تھی۔ ان کا تعلق سادات گیلانیہ سے ہے جو ضلع مظفرآباد کے مختلف حصوں میں آباد ہیں اور الحمدللہ عزت و احترام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ میرے والد صاحب کی شادی تحصیل کرناہ میں کنڈی نام سے موسوم گاؤں میں ایک معزز پیر خانہ میں ہوئی تھی۔ میرے نانا بھی سکول ٹیچر تھے اور ''پیر ماسٹر'' کے نام سے مشہور تھے جن کا اصل نام پیر حسام الدین تھا جو تحصیل بانڈی پورہ کے گاؤں کونن بابا گنڈھ سے تعلق رکھتے تھے۔ جب بحیثیت مدرس وہ تحصیل کرناہ میں تعینات ہوئے تو شادی کر کے وہیں آباد ہو گئے۔ ان کے خاندان کے باقی سب لوگ ضلع بارہ مولہ اور کشمیر وادی کے مختلف مقامات پر آباد ہیں جن میں قصبہ بانڈی پورہ کے علاوہ وٹلب زینہ گیر، بارہ مولہ، سوپور اور سرینگر وغیرہ شامل ہیں۔ بانڈی پورہ میں

ان کے چھوٹے بھائی پیر نجم الدین دیوانی مرحوم مشہور تھے جو بہت ہی عزت و احترام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر شریف الدین مرحوم جو لاہور کے فارغ التحصیل تھے، میرے نانا کے بھتیجے تھے۔ یہ لوگ اپنا خاندانی تعارف دیوانی اور ختلانی نام سے بھی کراتے ہیں۔ شہید عبدالحمید دیوانی جنھوں نے 1976 میں ہندوستانی جہاز اغوا کر کے لاہور لایا تھا، میرے نانا کے بھتیجے تھے اور جنون کی حد تک پاکستانی تھے۔ میری والدہ محترمہ، پیر حسام الدین صاحب کی بڑی صاحبزادی ہیں جو اس زمانے اور اپنے علاقے میں واحد مڈل پاس خواندہ خاتون تھیں جن کے ہاں میری پیدائش سال 1945 میں ہوئی۔

میری تاریخ پیدائش کے بارے میں ایک ابہام چلا آ رہا ہے۔ میرے والد صاحب کا کہنا ہے کہ میں جون 1947 میں پیدا ہوا تھا جبکہ میری تعلیمی اسناد میں جون 1945ء درج ہے اور یہی میری سرکاری تاریخ پیدائش ہے۔ میرے خیال میں 1947 والی بات صحیح ہے کیوں کہ میں نے میٹرک کا امتحان سال 1964 میں پاس کیا جس کے مطابق یہ 17 سال کی عمر بنتی ہے۔ عام حالات میں ایک پڑھے لکھے گھر میں میٹرک تک انسان 15 سال کی عمر تک پہنچ جاتا ہے لیکن 1947 کے نامساعد حالات کے نتیجے میں ہندوستان آزاد ہوا، پاکستان وجود میں آیا، کشمیر کی تقسیم ہو کر آزاد کشمیر وجود میں آیا جہاں کوئی انفراسٹکچر نہیں تھا، میرے والدین اپنے گاؤں سے بے گھر ہو کر آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کر آئے تھے۔ بے خانماں بلکہ خانہ بدوش تھے اس لیے میری کوئی مناسب سکولنگ بھی نہیں ہوئی، ایسے حالات میں تاریخ پیدائش کا اندراج ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس دوران مجھے سال 1952 میں والدین نے مبینہ طور پر میری نانی کے اصرار پر ان کے پاس مقبوضہ کشمیر بھیج دیا جہاں پر مجھے پرائمری سکول کنڈی میں داخل کیا گیا۔ اس طرح سال 1952 سے سال 1964 تک کے عرصہ کے دوران میں میٹرک تک پہنچ گیا۔

میرا خاندانی پس منظر

ہمارا سلسلہ نسب حضرت حسن مجتبیٰؑ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ ان کی نسل

سے حضرت سید عبدالقادر گیلانی، ایران کے صوبہ گیلان کے رہنے والے تھے جن کی اولاد میں سے برصغیر میں آنے والے سب سے پہلے شخص حضرت عبداللہ صحابیؒ تھے جن کا مزار مکلی ٹھٹھہ سندھ میں ہے۔ میرے والد صاحب کے مقبرہ پر ان کا مختصر نسب نامہ یوں کندہ ہے، ''سید حسن شاہ گیلانی بن سید یعقوب علی شاہ گیلانیؒ بن سید میر جی حیات علی شاہ گیلانیؒ بن سید غلام حسن شاہ گیلانیؒ بن سید غلام حیدر شاہ گیلانیؒ بن سید شاہ میر گیلانیؒ بن سید شاہ محمد غوث گیلانیؒ بن سید حسن بادشاہ پشاوریؒ بن سید عبداللہ شاہ گیلانیؒ المعروف صحابی بابا بن سید محمود العمودی البغدادیؒ (سلسلہ نسب اکسٹھویں پشت میں غوث الاعظم حضرت سیدنا الشیخ سید عبدالقادر گیلانیؒ اور پچاسویں پشت میں سبط رسولؐ سید شباب اھل الجنۃ حضرت ابو محمد الامام حسن مجتبیٰ سے ملتا ہے)۔

میرے دادا کے چار بیٹے تھے جن میں سے بڑے میرے والد صاحب تھے۔ یہ سب لوگ درنگلہ کرناہ سے ہجرت کر کے مظفرآباد میں کائی منجہ کے مقام پر مریدوں کے پاس آباد ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد لیپہ کرناہ منتقل ہو گئے جہاں مختلف محکموں میں ملازمت اور مقامی سطح پر کاروبار بھی کرتے رہے جس وجہ سے علاقہ لیپہ کرناہ میں وسیع پیمانے پر زمینیں خریدیں۔ زمینیں انہوں نے اس وقت خریدیں جب ان کے دوسرے بھائی ابھی زیر کفالت تھے لیکن ان کے بیع نامے سب بھائیوں کے نام کروائے حالاں کہ ان کی اپنی اولاد بھی موجود تھی۔ جائیداد کی ملکیت کا حق واضح رکھنا چاہیے ورنہ یہ خاندان میں تنازعات کا باعث بنتا ہے۔

میرے والدین 1965 اور 1971 کی ہند پاکستان جنگوں کی وجہ سے لیپہ سے بے گھر ہو کر مظفرآباد آ کر آباد ہو گئے۔ لیپہ میں ان لوگوں کے گھر غائیپورہ میں تھے جو جنگ بندی لائن سے ملحق ہے۔ میرے والد صاحب انتہائی ذہین، فطین، جرأت مند اور بے باک انسان تھے اگر ان کو کوئی وسیع جگہ اور موقع میسر آتا تو مولانا بھاشانی جیسی طبیعت ظاہر ہوتی، ان کی ذہانت اور نکتہ سنجی کا ایک واقعہ مجھے فرید خان ایڈووکیٹ نے سنایا جو ہماری زمین کے مقدمے میں مخالف وکیل تھے۔ بقول ان کے جب میرے والد صاحب سے پوچھا گیا کہ جو زمین ہندوستان کے ایریا میں ہے اس پر وہ قبضہ کیسے جتلاتے

ہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ وہاں پر میرا نظری قبضہ ہے، جس کو قانونی زبان میں Symbolic possession کہتے ہیں حالاں کہ موصوف محض میٹرک پاس تھے۔ مجھے یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے بتایا یونیورسٹی جامع مسجد میں ایک روز جمعہ کے خطبے میں امام مسجد نے آزاد کشمیر ریڈیو کے ڈائریکٹر کے خلاف ایک قرارداد پیش کی جس کے ساتھ سب نمازیوں نے بہ یک زبان اتفاق کیا لیکن میرے والد صاحب نے اعتراض کیا کہ جس شخص کے خلاف قرارداد پیش کی جارہی ہے وہ یہاں نہیں ہے اور نہ ہی اس کا موقف سنا ہے یک طرفہ طور کسی کے خلاف مذمتی قرارداد اصول اور انصاف کے خلاف ہے۔ اس پر بھی سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کو قرارداد واپس لینا پڑی۔ قانونی زبان میں اس کو Nobody can be condemned unheard کہتے ہیں۔ لوگوں نے ان سے منسوب ایک واقعہ یوں سنایا کہ 1964 میں جب شیخ محمد عبداللہ مرحوم مظفرآباد تشریف لائے تو ان کو دیکھنے اور سننے کے لیے جم غفیر اکٹھا ہو گیا جن میں میرے والد صاحب بھی تھے۔ جب ان کو انہیں دیکھنے کی مناسب جگہ نہ مل سکی تو ڈنڈا لہراتے ہوئے ایک دیوار پر چڑھے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا شہر کے لوگوں کی یہی تہذیب ہے کہ ہلڑ بازی کر کے عام لوگوں کو معزز مہمان کے دیدار اور اس کی تقریر سننے سے محروم کیا جائے۔ اس پر لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سٹیج کے قریب لا کر بٹھا دیا۔ بقول لوگوں کے ان کے خلاف بحیثیت استاد کرناہ میں شکایت ہوئی کہ وہ سکول کے بچوں سے زمینداری کا کام کراتے ہیں۔ جب انکوائری کے لیے محکمہ تعلیم کا کوئی افسر وہاں گیا تو انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ بات درست ہے البتہ یہ الزام نہیں ہوسکتا کیوں کہ بحیثیت استاد میں نے زمیندار بچوں کو سبق رٹانا نہیں بلکہ کارآمد انسان بنانا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ ان کو زمینداری کی تربیت بھی دی جائے۔ ضعیف العمری میں ایک دفعہ میرے ساتھ آرمی سٹیڈیم میں نماز عید پڑھنے گئے جہاں فوجیوں نے سب کو لائن میں کھڑا کر کے تلاشی لینا شروع کی۔ اس پر انہوں نے احتجاج کیا کہ آپ فوجی وردی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ ملک ہم نے اس وقت بنایا جب آپ کا نام ونشان نہیں تھا، اب آپ مالک بن گئے اور ہم کو چور سمجھتے ہیں۔ اس پر فوجیوں نے تلاشی لینا بند کر دی۔

مجھے وصیت کی تھی کہ اگر وہ مجھ سے پہلے وفات پا گئے تو ان کی نماز جنازہ میں پڑھاؤں۔ اتفاق ہے کہ میں اس دن سرینگر میں تھا جب ان کی وفات کی خبر ملی۔لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہندوستانی حکومت نے مجھے اسی روز خصوصی طور پر بذریعہ چٹھی واپس مظفر آباد آنے کی اجازت دی اور میں اسی شام گھر پہنچ گیا جہاں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجھے زندگی بھر انہوں نے ایک ہی کام بتایا تھا جس کو ممکن بھی ان کی عبادت و ریاضت نے بنایا۔ذاتی طور سخت طبیعت اور سخت گیر انسان تھے۔سب گھر والے ان سے خائف رہتے تھے۔سرکاری نوکریوں میں سے استاد کے منصب کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ میں سب سے بڑا تھا لیکن میری پرورش اور کفالت انہوں نے نہیں کی تھی کیوں کہ میں بچپن سے ہی اپنی ننھیال کے زیر کفالت تھا، البتہ میرے دوسرے بہن بھائی ان ہی کے پاس رہ رہے تھے جو ان کی سخت گیری کے خوف ناک قصے سناتے ہیں لیکن ہر قصہ اپنی جگہ ایک کتاب کے برابر سبق رکھتا ہے۔

مجھ سے چھوٹی بہن رقیہ، جدہ سعودی عرب کے ایمبیسی سکول میں ٹیچر رہ چکی ہیں کیوں کہ اس کے شوہر سید سجاد گیلانی جدہ پاکستانی قونصل خانے میں ملازم تھے۔ان سے چھوٹے بھائی سید نظیر الحسن گیلانی ہیں جو کنگ عبداللہ یونیورسٹی سعودیہ کے فارغ التحصیل اور حکومت آزاد کشمیر میں سیکریٹری کے عہدہ پر فائز ہیں۔ان سے چھوٹی بہن طاہرہ گیلانی محکمہ صحت میں میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ ان سے چھوٹے سید ظہور الحسن گیلانی بھی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل حکومت آزاد کشمیر میں سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ان سے چھوٹے بھائی مظہر الحسن گیلانی پشاور یونیورسٹی سے قانون کے ڈگری ہولڈر اور محکمہ لوکل گورنمنٹ میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں جبکہ سب سے چھوٹی بہن شاہدہ گیلانی جو گریجویٹ اور خانہ داری کا کام کرتی ہیں اور میرے پورے خاندان میں رابطہ کار ہیں۔ خاندان کے چھوٹے بڑے مسائل وہ سنبھالتی ہیں اور ان کی لیڈر شپ کوالٹی کے سب معترف ہیں۔ان سب لوگوں کی شادیاں میرے پاکستان آنے کے بعد ہوئی ہیں۔ہم سب بہن بھائی صاحب اولاد ہیں اور الحمدللہ سب کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔جبکہ میری اولاد صاحب خانہ اور صاحب روزگار ہے۔میری پھوپھیوں اور

چچگان کی ساری اولاد بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ،سرکاری عہدوں پر فائز اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

مظفر آباد میں گیلانی خاندان یوں بھی صاحب ثروت اور اثر رسوخ کا حامل مانا جاتا ہے۔ ہیں تو ہم سب لوگ یک جدی لیکن شہر میں بسنے والے گیلانیوں اور ہماری الگ الگ پہچان ہے۔ہم لوگوں کو شہری گیلانیوں کے مقابلے میں پسماندہ اور دیہاتی گیلانی سمجھا جاتا ہے لیکن تعلیم و تربیت اور خصائل میں ان سے مختلف سمجھا جاتا ہے۔ہمیں لوگ طنزیہ طور پر ڈیزل گیلانی جبکہ شہر والے گیلانیوں کو سپر گیلانی کہتے ہیں۔ہم لوگ تعلیم و تربیت ،سرکاری عہدوں کی وجہ سے زیادہ نمایاں اثر رسوخ رکھتے تھے۔لیکن آپسی تعلقات میں ہم سب بہت قریب ہیں۔دکھ درد میں برابر بلکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی حد تک شریک ہیں۔اب شادی بیاہ کی وجہ سے اتنی قریبی رشتہ داریاں ہو چکی ہیں کہ ڈیزل اور سپر کی تفریق بھی ختم ہو چکی ہے۔مقامی سیاست میں گیلانیوں اور خواجگان کی چپقلش کی وجہ سے ہمیں بالخصوص مجھے گیلانیوں کا مخالف گروپ نشانے پہ رکھتا رہا۔اس لحاظ سے ہمیں ایک دوسرے کی خامیوں خوبیوں کو شیئر کرنا پڑتا ہے۔اب ماشاءاللہ مقامی سیاست اور کاروبار میں گیلانی سبقت لے گئے ہیں۔ مرحوم ممتاز گیلانی کے بعد مظفر آباد کی بڑی کاروباری شخصیت سید بنیاد علی گیلانی کے پوتے سید افتخار گیلانی بیرسٹری کر کے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دوبارہ اسمبلی کے ممبر اور وزیر حکومت بنے جن میں آگے بڑھنے کی بھرپور صلاحیت ہے۔

میرے بچے

میری اولاد میں سب سے بڑا بیٹا خالد منظور گیلانی ہے جو لاء گریجویٹ ہے اور اب کینیڈا میں دو بچوں حیدر اور روحان کے باپ کی حیثیت سے آباد اور وہاں کا شہری ہے۔موصوف بلا کے ذہین اور کثیر المطالعہ ہیں۔آزاد کشمیر ہائی کورٹ کا وکیل ہے اور جب بھی واپس آتا ہے پریکٹس سے منسلک رہتا ہے۔کینیڈا میں بھی روزگار کے علاوہ قانونی تعلیم سے منسلک ہے۔کرمنل جسٹس اور پولیس کورس کے علاوہ بار ایٹ لاء کے چار کورسز مکمل کر لیے ہیں۔جوڈیشل سروس کے دوران اس کو میں نے باہر

رہنے پر ہی ہدایت کی کہ کہیں میری پوزیشن ایکسپلائیٹ نہ ہو لیکن اب میری خواہش ہے کہ یہ لوگ واپس وطن آ کر آباد ہو جائیں جو کہ ہر سال آتے ہیں۔ موصوف کی بیوی صنم بخاری کمپیوٹر سائنس کی ماسٹر ڈگری ہولڈر ہے اور کیلگری یونیورسٹی میں کسی انتظامی شعبہ میں ملازم ہے۔

اس سے چھوٹی بیٹی فہمیدہ منظور گیلانی ہے جو گریجویٹ اور ماشاء اللہ اپنے نام کی مانند سمجھدار، عقلمند، ہمدرد اور دور اندیشی کی حامل خاتون ہے۔ اس کی شادی ہمارے مقامی خاندان میں ہوئی ہے جس کے میاں سید احسان آج کل پاکستان فوج میں کرنل کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ اس کے دو بچے محمد علی اور مہد علی ماشاللہ ذہین فطین لیکن لاثانی قسم کے شرارتی ہیں۔ یہ بیٹی میری بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ دوست ہونے کا کردار ادا کرتی ہے اور خاندان میں ہر ایک پر نظر رکھتی ہے۔ خاندان کے غریب اور پسماندہ لوگوں کا بہت خیال رکھتی ہے۔ نظر نیاز، صدقہ خیرات اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس سے چھوٹی بیٹی نویدہ منظور گیلانی ہے جو انگلش میں ماسٹر ڈگری ہولڈر اور کالج میں لیکچرار ہے۔ عارضی طور پر ڈیپوٹیشن پر راولپنڈی میں تعینات رہی۔ اس کے بھی میرے ساتھ دوستوں جیسے تعلقات ہیں اور ہم لوگ آپس میں بہت بے تکلف ہیں۔ اس کی شادی سیالکوٹ کے گیلانی خاندان میں ہوئی ہے، اس کا میاں لئیق گیلانی، پاکستان آئل کمپنی میں ملازم ہے۔ اس کی پھول جیسی دو بچیاں اریشہ اور ابیہہ ہیں۔ یہ سلیقہ پسند، ذہین، ہونہار اور بہت ہی ملنسار ہیں۔ اس سے چھوٹا بیٹا ساجد منظور گیلانی ہے جو گریجویٹ اور کمپیوٹر کا ڈگری ہولڈر ہے، اس حیثیت میں محکمہ عدلیہ کے ہائی کورٹ میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر تعینات ہے۔ اس کی بیوی صائمہ بھی ہمارے اپنے خاندان سے ہے، لاء گریجویٹ اور محکمہ سماجی بہبود میں ملازم ہے۔ میرے والد صاحب اس بیٹے کی اس خاندان میں شادی پر بہت خوش تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس شادی نے خاندان کو جوڑ دیا ہے، ان کی ایک بیٹی عدینہ اور بیٹا عبدالہادی ہیں۔ سب سے چھوٹا بیٹا راشد منظور گیلانی ہے جو کمپیوٹر انجینئر ہونے کے علاوہ NUST (National University of Science & Technology) راولپنڈی سے MBA اور امریکہ کی Towson یونیورسٹی سے ایم ایس ڈگری ہولڈر ہے۔ اس کی بیوی مہوش لاہور کی رہنے والی ہے، اسی امریکی یونیورسٹی سے اسی ڈگری کی حامل ہے جو

راشد نے حاصل کی۔ آج کل دونوں بوسٹن امریکہ میں آباد اور کسی اچھے روزگار کے حامل ہیں۔ بہت محنتی اور ذمہ دار شخص ہے اس کی بیوی بھی ان ہی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے باوجود مجھے اس بات کا افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ فکر معاش، خانگی معاملات اور سیاست میں الجھنے کی وجہ سے بچوں کی معقول فنی تعلیم پر توجہ نہیں دے سکا۔

بچوں بالخصوص بیٹیوں کے حوالے سے میرا تجربہ ہے کہ شادیاں اپنے خاندان یا اپنے دیکھے بھالے اور اپنے ماحول میں کرنی چاہئیں۔ ناواقف لوگوں میں بچیوں کی شادیاں کرنا جوا ہے، سٹا ہے۔ آزاد کشمیر میں سیدوں کی بیٹیوں کی شادیاں سیدوں کے ساتھ ہی کرنا ایک سماجی بدعت ہے جو آزاد کشمیر میں وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے جس وجہ سے دیگر خاندانوں کے اچھی خوخصلت والے بچوں سے رشتہ ناطہ سے سید بچیاں محروم ہو جاتی ہیں۔ (یہ بدعت دنیا کے کسی کونے حتیٰ کہ عرب کے خطے میں بھی نہیں جہاں اہل بیت کو سبقت حاصل تھی)۔ اس رسم کو ہمت کر کے توڑنا پڑے گا۔ مجھے خاندان کی اخلاقی سپورٹ حاصل نہیں تھی وگرنہ میں ایسا کرنا چاہتا تھا۔ اگر میری زندگی میں میری پوتیوں، نواسیوں کے لیے ایسا موقع پیدا ہوا تو میں ان کی بھرپور مدد کروں گا۔ اگر کسی سید لڑکے کی غیر سید لڑکی سے شادی ہو سکتی ہے تو سید لڑکی کی غیر سید لڑکے سے کیوں نہیں؟ اگر والدین سے باغی ہو کر سید لڑکی غیر سید لڑکے شادی کر سکتی ہے تو ان کی مرضی سے کیوں نہیں؟ اگر دنیا بھر اور پورے پاکستان میں ایسا ہوتا ہے تو آزاد کشمیر کون سا ریاض الجنتہ ہے؟ لوگوں کو اس پر سوچنا چاہیے۔ سوائے محرمات کے جو قرآن میں درج ہیں، باقی ہر نکاح جائز اور حلال ہے۔

میرے تمام بچوں کے ساتھ ذاتی اور دوستانہ تعلقات ہیں۔ البتہ بیٹیوں کے ساتھ قربت زیادہ ہے کیوں کہ وہ اور ان کے بچے ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے جبکہ بچے گھر اور ملک سے باہر رہے۔ قربتیں پیار اور اعتماد کو زیادہ بڑھاتی ہیں، رشتے نہیں۔

ایک انگریزی مقولہ ہے:

A son is your son as long as he gets a wife. But your daughter is your

daughter for the whole of your life.

یہ درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیٹوں کے پیار اور خلوص میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بیٹوں نے گھر سے باہر روزگار کرنا ہوتا ہے، شادی کے بعد ایک نئے خاندان سے بھی پالا پڑتا ہے، اپنے بیوی بچوں کی ذمہ داری اور کفالت کرنی ہوتی ہے اس لیے ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں جبکہ بیٹیوں کی ذمہ داری اپنے بچوں اور گھر تک ہوتی ہے۔ باقی معاش وفکر سے آزاد ہوتی ہیں، اس لیے والدین کے لیے ان کے پاس پورا وقت ہوتا ہے۔ وہ شخص بہت بدقسمت ہے جس کی کوئی بیٹی نہ ہو۔ بیٹی یقیناً رحمت ہوتی ہے۔ اگر قدرت مجھ سے پوچھ کر اولاد دیتی تو میں دو بیٹیاں اور مانگتا۔

یہی کیفیت میرے اور والدین اور بہن بھائیوں میں بھی ہے۔ ہم سب آپس میں بہت زیادہ بے تکلف اور ہر موضوع پر بات خندہ پیشانی سے کرتے ہیں۔ مجھے جس قدر بھی تنخواہ و پنشن وغیرہ سے بچت ہوئی ہے، میں نے سب بیٹوں اور بیٹیوں کے نام اسلام آباد میں الگ الگ پلاٹ خرید لیے ہیں۔ جو میرے نام ہیں وہ میرے بعد ان سب ہی کے بحصہ برابر ہوں گے۔ مظفر آباد میں ہمارے دو مکان ہیں۔ جس مکان میں ہم لوگ رہ رہے ہیں، یہ تینوں بیٹوں کے نام وصیت کر دیا ہے جبکہ دوسرا گھر گلشن کالونی میں دو بیٹیوں کے نام بذریعہ ہبہ منتقل کیا ہے۔ تمام بچے بچیوں کی شادیاں ہماری مرضی سے ہوئی ہیں۔ البتہ راشد کی پسند اپنی تھی لیکن اس کی تکمیل ہماری مرضی سے ہوئی ہے۔ الحمدللہ خوش اسلوبی سے ان سب کے گھر چل رہے ہیں۔ بڑے بیٹے خالد اور بیٹی فہمیدہ کی پیدائش ہندوستانی کشمیر کرناہ میں ہی ہوئی جو 1976 میں ہمارے ساتھ ہی پاکستان آئے جبکہ ایک بیٹی نویدہ اور دو بیٹے ساجد اور راشد کی پیدائش مظفر آباد میں ہی ہوئی ہے۔

آنے والی نسلوں اور تحقیق کرنے والوں کی دلچسپی کے لیے مستند شجرہ نسب ضمیمہ کے طور پر شامل ہے۔

میرے بچوں کو اللہ رکھے، ان تازہ ہوا کے جھونکوں نے
میں خشک پیڑ خزاں کا تھا، مجھے کیسا برگ و بار دیا